

ہجرت حبشہ

[”سیر وسوانح“ کے زیر عنوان شائع ہونے والے مضامین ان کے فاضل مصنفین کی اپنی تحقیق پر مبنی ہوتے ہیں، ان سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

کفار کی جانب سے مسلمانوں کو جو آزمائشیں پیش آ رہی تھیں، قرآن مجید ان کا عزم و حوصلہ کے ساتھ مقابلہ کرنے کا حکم دیتا اور بشارت دیتا کہ جو لوگ ثابت قدم رہیں گے، ان کو ان کی قربانی کا صلہ ان کی توقعات، اندازوں اور قیاسوں سے بڑھ چڑھ کر ملے گا۔ قرآن نے یہ ہدایت بھی فرمائی کہ اگر دیکھو کہ تمہارے وطن کی زمین تم پر تنگ کر دی گئی ہے جب بھی بد دل اور مایوس نہ ہونا۔ خدا کی زمین بہت وسیع ہے۔ اگر اس شہر میں تمہارے لیے اللہ کے دین پر قائم رہنا ناممکن بنا دیا گیا تو اللہ تمہاری رہنمائی کسی ایسی سر زمین کی طرف فرمائے گا، جہاں تم بے خوف و خطر اپنے رب کی عبادت کر سکو گے۔ اللہ تمہیں جائے پناہ عطا فرمائے گا اور رزق بہم پہنچائے گا۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ کتنے جان دار، چرند، پرند ایسے ہیں جو اپنے ساتھ اپنی روزی باندھے نہیں رکھتے، لیکن ان کا رب ان کو رزق دیتا ہے اور وہ شکم سیر ہو کر رات کو اپنے ٹھکانوں پر واپس آتے ہیں۔ لہذا تم بھی اپنے رب پر بھروسہ کرو۔ وہ تمہاری مشکلیں آسان فرمائے گا۔ فرمایا:

يَعْبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ
فَيَايَا فَاعْبُدُونِ. كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ
الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ. وَالَّذِينَ آمَنُوا
”اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو، بے شک میری
زمین بڑی کشادہ ہے تو بس میری ہی بندگی کرو۔ ہر
جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے، پھر تم ہماری ہی طرف

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لِنُبَوِّئَهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا . نِعَمَ أَجْرُ الْعَمِلِينَ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ . وَكَأَيِّن مِّن دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ . (العنكبوت ۲۹: ۵۶-۶۰)

لوٹائے جاؤ گے۔ اور جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، ہم ان کو جنت کے بالا خانوں میں متمکن کریں گے۔ اس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ کیا ہی خوب صلہ ہے کارگزاروں کا، جنھوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر ہر حال میں انھوں نے بھروسہ رکھا۔ اور کتنے جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے۔ اللہ ہی ان کو بھی رزق دیتا ہے اور تم کو بھی۔ اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔“

جب قریش کے ظلم و ستم کا بازار گرم سے گرم تر ہوتا گیا تو اہل ایمان کے لیے مکہ کی سرزمین واقعی تنگ ہو گئی۔ اسلام کا نام لے کر کوئی شخص اپنے آپ کو معاشرہ کے غیظ و غضب سے بچا نہیں سکتا تھا۔ اسی زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ خداوندی میں درخواست کی کہ اے رب، اسلام کو عمرو بن ہشام یا عمر بن الخطاب کے اسلام سے قوت بخش۔ عمرو بن ہشام ابو جہل کا نام ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں پیش پیش تھا اور عمر بن الخطاب ایک دبنگ نوجوان کے طور پر معروف تھے اور ان کا دل پسند مشغلہ کمزور مسلمانوں کو تنگ کرنا تھا۔ مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکوہ کرتے کہ ان کی زندگی سخت عذاب میں ہے تو حضور تسلی دیتے کہ حوصلہ رکھو، اللہ تعالیٰ آسانی کی راہ نکالے گا۔ تم سے پہلی قومیں بھی مخالفین کے ہاتھوں بے حد تنگ ہوئیں، یہاں تک کہ ان کے سروں پر آ رہے چلا دیے گئے، لیکن وہ اپنے دین سے دست بردار نہ ہوئیں۔

جب حالات تشویش ناک حد تک نازک ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جو خاص طور پر مصائب کا نشانہ بنے ہوئے تھے، حبشہ کی جانب ہجرت کی اجازت دی، کیونکہ وہاں کا عیسائی حکمران اصحمہ اپنی رحم دلی اور عدل گستری کی بڑی شہرت رکھتا تھا اور اس کے ملک میں امن و امان کا دور دورہ تھا۔ دوسرے یہ ملک عرب سے مغرب میں بحر قلزم کے پار ہونے کے باعث نہایت قریب بھی تھا۔ عجیب بات ہے کہ قریش کے تقریباً تمام خاندانوں کے نوجوان مسلمان ہجرت کرنے میں پیش پیش تھے۔ پہلا گروپ جس نے ہجرت کی، گیارہ مردوں اور پانچ خواتین پر مشتمل تھا۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

بنو امیہ: حضرت عثمان بن عفان مع زوجہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بنو عبد شمس: حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ مع زوجہ سہلہ بنت سہیل بن عمرو

بنو مخزوم: حضرت ابوسلمہ بن عبد الاسد مع زوجہ ام سلمہ

بنو اسد: حضرت زبیر بن العوام

بنو عبد الدار: حضرت مصعب بن عمیر

بنو زہرہ: حضرت عبد الرحمن بن عوف

بنو جح: حضرت عثمان بن مظعون

بنو عدی: حضرت عامر بن ربیعہ مع زوجہ لیلیٰ بنت ابی حشمہ

بنو عامر: حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم مع زوجہ ام کلثوم بنت سہیل۔ حاطب بن عمرو

بنو حارث: حضرت سہیل بن بیضاء

اس سے معلوم ہوا کہ دین کی خاطر اپنوں سے جدائی کا صدمہ جہاں ان نوجوان مسلمانوں کو سہنا پڑا، وہیں اس

سے قریش کے بیش تر خانوادے بھی متاثر ہوئے۔ سیرت نگاروں کے بقول یہ ہجرت رجب ۵ نبوی میں ہوئی۔

پہلے گروپ کے حبشہ بخیر و عافیت پہنچنے اور وہاں کی حکومت کے اس پر اعتراض نہ کرنے کی خبر جب مسلمانوں کو ملی

تو پھر ہجرت کرنے والوں کا ایک تانتا بندھ گیا۔ بعض نمایاں نام یہ ہیں:

بنو ہاشم: حضرت جعفر بن ابی طالب مع زوجہ اسماء بنت عمیس

بنو امیہ: حضرت خالد بن سعید بن العاص۔ عروہ بن سعید بن العاص مع زوجہ فاطمہ بنت صفوان بن امیہ

بنو اسد: حضرت عبد اللہ بن جحش۔ عبید اللہ بن جحش مع زوجہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان

بنو عامر: حضرت سکران بن عمرو مع زوجہ سودہ بنت زمعہ۔ عبد اللہ بن سہیل بن عمرو

بنو حارث: حضرت ابو عبیدہ بن الجراح

ان کے علاوہ حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عتبہ بن مسعود اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کے نام آئے ہیں۔ یہ

تعداد اسی (۸۰) سے متجاوز تھی۔ ظاہر ہے کہ مکہ سے ہر مسلمان نے ہجرت نہیں کی، بلکہ انھی لوگوں نے کی جو قریش کے

ظلم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ باقی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسب فیض کے لیے وہیں رہے۔

قریش کا تعاقب

قریش نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کو حبشہ میں ایک پناہ گاہ میسر آ گئی ہے اور وہ امن اور سکون سے وہاں زندگی گزارنے لگے ہیں تو انھوں نے وہاں بھی ان کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کیا اور دو آدمی عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ اصحمہ کے دربار میں جانے کے لیے تیار کیے۔ یہ دونوں بادشاہ کے حضور پیش کرنے کے لیے ہدایا تو لے کر ہی گئے، ان کے علاوہ اس کے مذہبی رہنماؤں کے لیے بھی تحائف لے کر گئے۔ انھوں نے پہلے مذہبی رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں اور دربار میں تعاون کی ان سے یقین دہانی حاصل کی۔ اس کے بعد شاہ نجاشی کے دربار میں پیش ہو کر درخواست کی کہ اے بادشاہ، ہمارے کچھ بیوقوف نوجوان آپ کے ملک میں آئے ہیں۔ یہ اپنا آبائی دین چھوڑ چکے ہیں اور آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے۔ یہ ایک نیا دین پیش کرتے ہیں جس سے نہ ہم واقف ہیں نہ آپ۔ ان کے بزرگوں نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ ان کو واپس بھجوائیں، کیونکہ ان کے بزرگ ہی ان پر ٹھیک نظر رکھ سکتے ہیں۔ نجاشی نے درباریوں اور مذہبی رہنماؤں کی رائے لی تو سب نے قریش کے وفد کی ہاں میں ہاں ملائی۔ لیکن نجاشی نے کہا کہ جن لوگوں نے میری پناہ پکڑی اور دوسروں کے مقابل میں انھوں نے میرا اور میرے ملک کا انتخاب کیا، میں ان کو تمھارے حوالے کیسے کر دوں، جب تک کہ میں اس معاملہ میں ان کا نقطہ نظر نہ جان لوں۔

بادشاہ نے اپنا اپنی بھیج کر مسلمانوں کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ جو ہوسو ہو، ہم وہی صحیح حقیقت حال بیان کریں گے جس کی تعلیم ہمیں اللہ کے رسول نے دی ہے۔ جب وہ حاضر ہوئے تو نجاشی نے قریش کا بیان ان کے سامنے رکھا اور جواب طلب کیا۔ مہاجرین کی جانب سے حضرت جعفر بن ابی طالب کھڑے ہوئے اور بیان کیا کہ اے بادشاہ، اس دین کو اختیار کرنے سے پہلے ہم بتوں کی پوجا کرتے، مردار کھاتے، قطع رحمی کرتے، بے حیائی کے کاموں میں شریک ہوتے۔ ہم اس حال میں تھے کہ اللہ نے ہماری طرف اپنا رسول بھیجا۔ اس کی خاندانی وجاہت، سچائی، پاکیزگی اور امانت سے ہم پہلے سے واقف تھے۔ اس نے ہمیں ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلایا اور پتھروں کی پوجا سے روکا۔ اس نے ہمیں سچ بولنے، امانت و دیانت داری، صلہ رحمی، اچھی ہمسائیگی، نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے اور شرک نہ کرنے کا حکم دیا اور جھوٹ، تہمت، یتیم کا مال کھانے، بے حیائی اور دوسرے محرمات سے رکنے کی ہدایت کی۔ ہم نے اس کی تصدیق کی، اس پر ایمان لائے اور اس کے لائے ہوئے پیغام کی پیروی کی۔ ہماری قوم نے ہم پر بڑی زیادتیاں کیں، ہم کو سزائیں دیں اور ہمارے دین سے ہمیں پھیرنا چاہا۔ جب ہماری زندگی اجیرن کر دی گئی تو ہم آپ کے ملک میں آ گئے اور پناہ کے لیے اس ملک کو چنا۔ ہمیں توقع ہے کہ آپ کے ہاں ہم پر

زیادتی نہیں ہوگی۔ یہ سن کر نجاشی نے قریش کے وفد کی درخواست رد کر دی۔

عمر بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ دربار سے ناکام لوٹے تو مشورہ کر کے نجاشی کے دینی جذبات کو بھڑکانے کا فیصلہ کیا۔ دوسرے دن دوبارہ دربار میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ نیا دین پیش کرنے والا آپ کے پیغمبر عیسیٰ بن مریم علیہا السلام کے بارے میں بڑی غلط باتیں منسوب کرتا ہے۔ نجاشی نے دوبارہ مسلمانوں کو طلب کیا اور ان کا نقطہ نظر معلوم کیا۔ حضرت جعفر نے سورہ مریم کی تلاوت شروع کر دی، جس میں مسیح علیہ السلام کے بارے میں قرآن کی پوری تعلیم موجود ہے۔ نجاشی سنتا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا۔ جب تلاوت ختم ہوئی تو حضرت جعفر نے کہا کہ اس کی رو سے حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا کلمہ تھے جو کنواری مریم کے حوالہ کیا گیا۔ نجاشی نے کہا کہ اللہ کی قسم، تم نے جو کچھ کہا، یہ تعلیم اور عیسیٰ علیہ السلام جو کچھ لائے، ایک ہی منبع سے نکلنے والی روشنی ہیں۔

اس صورت حال کو دیکھ کر قریش کے وفد کو نامراد لوٹنا پڑا اور مسلمانوں نے بادشاہ کے دل میں اسلام کا نور ڈال دیا جس کے نتیجے میں وہ بعد میں مسلمان ہو گیا۔ نجاشی کے رد عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق نصاریٰ کے اس گروہ سے تھا جو پال کی بدعات کے خلاف اور صحیح دین مسیحی کو اختیار کیے ہوئے تھا۔ یہی وہ لوگ تھے کہ جب ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پہنچتی تو قرآن میں آتا ہے کہ اس کو سن کر ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے، کیونکہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیشین گوئی کا مصداق اس کے اندر پاتے۔ ان لوگوں نے بالعموم اسلام قبول کر لیا۔

حبشہ کے عیسائی وفد کا قبول اسلام

صحیح نصرانیت پر قائم لوگ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا تثلیث (TRINITY) کا ایک رکن نہیں مانتے تھے اور اس بات کے منتظر تھے کہ مسیح علیہ السلام کی پیشین گوئی کے مطابق وہ نبی آخر الزماں پر اس وقت ایمان لے آئیں، جب ان کی بعثت ہو۔ مسلمانوں کی حبشہ آمد نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات کی تصدیق کر دی۔ انھوں نے مسلمانوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور آپ کی تعلیمات کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ قریش کے اہل ایمان پر ظلم و ستم کے واقعات سنے اور خود مسلمانوں کے کردار کا مشاہدہ کیا۔ چنانچہ ان کا ایک گروہ، جس میں بیس افراد شامل تھے، خود اپنی آنکھوں سے تمام احوال کا مشاہدہ کرنے اور اللہ کے آخری رسول سے ملاقات کے لیے مکہ آیا۔ انھوں نے ایک مجلس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت سوالات کر کے اطمینان کر لیا کہ یہ رسول ان

علامات پر پورے اترتے ہیں جن کی تعلیم اب تک ان کو دی جاتی رہی تھی۔ ان کے سوالات کے جواب دینے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موقع محل کے مطابق ان کے سامنے قرآنی آیات کی تلاوت کی۔ اس کلام نے ان کے رہے سہے شکوک کا ازالہ کر دیا۔ ان کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں، کیونکہ حق ان پر آشکارا ہو چکا تھا۔ ان خوش نصیبوں نے قبول حق میں ذرا سی دیر بھی گوارا نہیں کی۔ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لائے۔ اس کے بعد یہ لوگ حبشہ روانہ ہو گئے، کیونکہ ان کا مقصود مکہ میں قیام کرنا نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اسلام کی باقی تفصیلات انھوں نے ان مسلمانوں سے حاصل کی ہوں گی جو حبشہ کو ہجرت کر چکے تھے۔ یہ ہجرت حبشہ کا ایک ایسا ثمرہ تھا جس کا تصور بھی قریش نے نہ کیا ہوگا۔ اس کے بعد نجاشی کو بھی خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خط لکھ کر اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اس عادل حکمران کے حق میں دعا فرماتے رہے۔

کفار مکہ عیسائی گروہ کے اسلام قبول کرنے پر بے حد سخت پائے ہوئے۔ ابو جہل اور اس کے ساتھیوں نے ان حق پرست لوگوں کو احمق قرار دیا کہ وہ آئے تو تھے حقیقت حال کا مشاہدہ کرنے اور بے سوچے سمجھے مسلمان ہو کر واپس ہو لیے۔ اس واقعہ نے قریش کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا کہ اگر لوگ یہاں آ کر محمد سے متاثر ہوتے رہے تو وہ اس کا پیغام دوسرے قبائل تک پہنچا دیں گے اور اگر یہ دعوت مکہ کے بیرون میں جڑ پکڑ گئی تو ان کے لیے مزید پریشانیاں پیدا کر سکتی ہے۔ لہذا انھوں نے بیرون مکہ سے آئے والوں پر بھی نظر رکھنا شروع کی اور اگر ان میں سے کوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کی کوشش کرتا تو اس کی پٹائی کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے۔

عمر و بن عبسہ السلمی کا قبول اسلام

عمر و بن عبسہ زمانہ جاہلیت میں حنفائے حجاز میں سے تھے۔ وہ عقیدہ رکھتے تھے کہ جو لوگ بتوں کی پوجا کرتے ہیں، وہ گمراہی پر ہیں اور ان کی کوئی بنیاد نہیں۔ انھوں نے سنا کہ مکہ میں ایک شخص ایک نیا دین پیش کر رہا ہے۔ انھیں اس کے بارے میں جاننے کی خواہش ہوئی تو سواری لے کر مکہ جا پہنچے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ اس شخص کی قوم اس کی دشمن ہو رہی ہے اور کسی کو اس سے ملنے نہیں دیتی۔ کہتے ہیں کہ میں نے جستجو کی اور چھپ چھپا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا۔ میں نے پوچھا: 'آپ کیا ہیں؟' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'میں اللہ کا نبی ہوں'۔ میں نے پوچھا: 'نبی کیا ہوتا ہے؟' آپ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے ایک پیغام دے کر بھیجا ہے۔ میں نے پوچھا: 'اللہ نے آپ کو کون سا پیغام دے کر بھیجا

ہے۔ آپ نے فرمایا: 'صلہ رحمی اور بت شکنی کا پیغام، اور یہ کہ اللہ کو ایک مانا جائے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیا جائے۔ میں نے پوچھا کہ اس تعلیم میں آپ کا ساتھ کون دے رہے ہیں۔ آپ نے بتایا: آزاد اور غلام دونوں۔ میں نے کہا: 'میں بھی آپ کا پیروکار بننا ہوں۔ آپ نے جواب دیا: 'ابھی تم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ دیکھتے نہیں کہ میرے معاملہ میں لوگوں کا حال کیا ہے۔ تم اس وقت واپس لوٹ جاؤ۔ پھر جب سنو کہ میں غالب آ گیا ہوں تم میرے پاس آ جانا۔' عمرو کہتے ہیں کہ میں واپس اپنے قبیلے میں لوٹ گیا۔ میں آپ کے بارے میں ٹوہ میں لگا رہتا اور لوگوں سے دریافت کرتا رہتا۔ یہاں تک کہ اہل یثرب میں سے کچھ لوگ میرے ہاں آئے۔ انھوں نے آپ کے بارے میں بتایا کہ آپ مدینہ آ گئے ہیں اور لوگ آپ پر ایمان لانے کے لیے بھاگ بھاگ ان کے پاس آ رہے ہیں۔ ان کی قوم نے ان کی جان لینی چاہی، لیکن وہ اس پر قادر نہ ہو سکی۔ کہتے ہیں: یہ سن کر میں مدینہ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا۔ آپ نے مجھے فوراً پہچان لیا۔ میں نے اس موقع پر آپ سے نماز اور وضو کے مسائل دریافت کیے۔ اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنا بے حد مشکل بنا دیا گیا تھا۔ عمرو بن عبسہ مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کے خواہش مند رہے ہوں گے، لیکن آپ نے ان کو مشورہ دیا کہ اپنے قبیلہ کو واپس جائیں اور اسلام کے غلبہ کا انتظار کریں۔

ابوذر غفاری کا قبول اسلام

قبیلہ غفار کے ابوذر کو کہیں سے معلوم ہوا کہ مکہ میں کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ انھوں نے اپنے بھائی انیس کو مکہ بھیجا کہ اس شخص کے بارے میں معلومات لے کر آئیں۔ انیس مکہ گئے اور تحقیق کے بعد بھائی کو جا کر بتایا کہ وہ شخص اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتا ہے اور ایسا کلام پیش کرتا ہے جو نہ شعر ہے نہ کہانت۔ ابوذر کو ان معلومات سے تشفی نہیں ہوئی تو انھوں نے خود رخت سفر باندھا اور مکہ پہنچ گئے۔ مسجد حرام میں اترے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جستجو کی، لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ کسی سے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔ رات گئے حضرت علی ان کو مسافر سمجھ کر اپنے گھر لے گئے اور صبح دم وہ پھر مسجد میں آ گئے۔ دوسرے اور تیسرے روز بھی ایسا ہی ہوا۔ بالآخر حضرت علی نے ان کی آمد کا مقصد دریافت کیا تو ابوذر نے ان سے پختہ وعدہ لیا کہ وہ کسی سے اس کا تذکرہ نہ کریں گے۔ جب مقصد بتایا تو حضرت علی نے کہا کہ بلاشبہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اگلی صبح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات کرائی تو

ابوذر نے اسلام قبول کر لیا۔ آپ نے ہدایت فرمائی کہ اس وقت واپس چلے جاؤ اور اپنی قوم کو آگاہ کرو۔ البتہ، جب تک میرے بارے میں تمہیں اطلاع نہیں پہنچتی، وہیں رہنا۔ ابوذر کہنے لگے: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، میں لوگوں کے سامنے اپنے اسلام کا اظہار کر کے جاؤں گا۔ وہ مسجد میں گئے اور بلند آواز سے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ لوگ ان کے اوپر پل پڑے اور مار مار کر گرا دیا۔ عباس بن عبدالمطلب کی نظر پڑی تو لوگوں کو ہٹایا اور کہا کہ تم جانتے نہیں ہو کہ یہ شخص بنو غفار سے تعلق رکھتا ہے اور یہ قبیلہ شام کے راستے میں تمہاری تجارتی شاہراہ پر آباد ہے۔ تب ابوذر کی خلاصی ہوئی اور انھوں نے اپنی راہ لی۔^۳

اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ باہر سے آنے والوں کے لیے قریش نے کیسی فضا بنا رکھی تھی کہ کوئی شخص کھل کر نہ رسول اللہ کا نام لے سکتا تھا اور نہ ان سے ملاقات کر سکتا تھا۔ اگر اتفاق سے کوئی جری شخص آپ سے مل لیتا تو مار پیٹ سے اس کی تواضع کی جاتی۔ اس دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو یہی مشورہ دیتے کہ وہ اپنے اپنے علاقہ میں رہیں اور جب غلبہ کی خبر سنیں تو پھر رابطہ کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی قبولیت اور حضرت عمر کا اسلام

مکہ سے ایک بڑی تعداد میں مسلمانوں کا محض اس لیے نکل جانا کہ وہ اپنے دین کو بچا سکیں اور بھرے ہوئے آسودہ گھروں کو خیر باد کہہ دینا، جیسے ان کے درو دیوار ان کو کاٹتے ہوں، اتنا غیر معمولی واقعہ تھا کہ اس نے مکہ کی بقیہ آبادی کو ہلا کر رکھ دیا اور وہ اپنے جذباتی موقف کا جائزہ لینے پر آمادہ ہوئی۔ انھی لوگوں میں ایک بڑا نام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ہے جو ہجرت حبشہ کے بعد ۶ نبوی میں مسلمان ہوئے۔

حضرت عمر کے اسلام لانے کے بارے میں دو روایتیں نقل ہوئی ہیں:

پہلی روایت: حضرت عمر کے اسلام لانے کے بارے میں جو روایت شہرت پا چکی ہے، وہ یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو العیاذ باللہ قتل کرنے کے ارادہ سے گھر سے نکلے۔ راستہ میں حضرت نعیم بن عبد اللہ سے ملاقات ہو گئی جو مسلمان ہو چکے تھے۔ انھوں نے پوچھ لیا: کہاں کا ارادہ ہے؟ بولے: محمد کا فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے کہا: پہلے گھر کی خبر لو۔ تمہاری بہن اور بہنوئی حضرت سعید بن زید بھی اسلام لا چکے ہیں۔ عمر بہن کے گھر پہنچے۔ وہاں

میاں بیوی حضرت خباب بن الارت سے قرآن پڑھ رہے تھے۔ جب معلوم ہوا کہ عمر آگئے تو انھوں نے قرآن کے صفحات چھپا دیے۔ چونکہ عمر بن الخطاب نے قرآن پڑھتے ان کو سن لیا تھا، اس لیے مصر ہوئے کہ بتاؤ تم لوگ کیا پڑھ رہے تھے۔ میاں بیوی نے جب کچھ نہیں بتایا تو عمر نے دونوں کو مار مار کر لہو لہان کر دیا۔ ان کا جواب یہ تھا کہ عمر، تم جو چاہے کر لو اب اسلام کی محبت دل سے نکل نہیں سکتی۔ عمر قدرے ٹھنڈے ہوئے تو بہن نے سورہ طہ (یا بروایت بعض سورہ حدید) کے صفحات ان کے آگے رکھ دیے۔ پڑھتے ہی ان کے دل کی کیفیت بدل گئی۔ خباب سے پوچھا: آں حضرت کہاں ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ وہ کوہ صفا کے قریب ایک گھر میں ہیں۔ عمر تلوار لٹکائے ہوئے وہاں پہنچے۔ کسی نے دروازے کے سوراخ میں سے جھانک کر دیکھا اور گھبرا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازہ کھولنے کا حکم دیا اور عمر نے اسلام قبول کر لیا۔ ابن اسحاق کے مطابق یہ روایت اہل مدینہ سے ان کو پہنچی۔^۲

اس روایت کی شہرت کے باوجود اس پر کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں، لیکن ان کا تشفی بخش جواب نہیں ملتا:

۱۔ عرب کی قبائلی زندگی میں کسی دوسرے قبیلہ کے ایک فرد کا قتل بڑے دور رس نتائج کا حامل ہوتا تھا۔ یہ کام اگر آسان ہوتا تو قریش کے تمام خانوادے بنو ہاشم پر زور نہ دیتے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خود روکیں۔ انھیں یہی خطرہ تھا کہ اگر ہم کوئی ایسا اقدام کر گزرے تو مکہ کے اندر ایک طویل جنگ چھڑ جائے گی جس سے عہدہ برآ ہونا کسی کے لیے ممکن نہ ہوگا۔

۲۔ حضرت عمر جہاں دیدہ اور زریک آدمی تھے۔ وہ اس حقیقت کو جانتے ہوئے قتل جیسا اقدام نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ ان کا قبیلہ بنو عدی بنو ہاشم کے مقابل میں بے حد کمزور تھا۔

۳۔ حضرت سعید بن زید اور حضرت فاطمہ بنت الخطاب قدیم الاسلام صحابی ہیں، جو بعثت نبوی کے فوراً بعد مسلمان ہوئے تھے۔ ان کا اسلام پوشیدہ بھی نہیں تھا کہ اس کی بھنگ گھر کے افراد کے کانوں میں نہ پڑ سکتی۔ پانچ سال کے عرصہ میں تو ہر مسلمان معلوم و معروف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ پورا قبیلہ قریش ان کو سبق سکھانے پر تلا ہوا تھا اور وہ علی الاعلان حبشہ کو ہجرت کر رہے تھے۔ اس روایت سے یوں معلوم ہوتا ہے، جیسے وہ ۶ نبوی میں اس واقعہ سے ذرا پہلے مسلمان ہوئے ہوں۔

۴۔ حضرت عمر کا اصرار کہ بہن وہ چیز سنائیں جو پڑھ رہی تھیں، ظاہر کرتا ہے کہ ان کے کان ابھی تک قرآن سے

نا آشنا تھے، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تو فریضہ منہجی ہی لوگوں کو قرآن سنانا تھا۔ آپ کئی مرتبہ قریش کے لیڈروں کو قرآن سنا چکے تھے اور خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھتے ہوئے خود بھی ایسی آواز سے پڑھتے تھے جو دوسرے لوگ سن سکیں۔ روایت کا یہ تاثر حقیقت سے بعید ہے۔

۵۔ حضرت فاطمہ کا صحیفہ سے پڑھنا اور پھر اس کو چھپا دینا بھی خلاف حقیقت ہے۔ مسلمانوں کی کس مہر سی کے ان ایام میں قرآن کی تحریر کا اہتمام کرنا اور پھر اس سے پڑھنا پڑھانا ناممکن تھا۔ قریش میں بھی بہت کم لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، چہ جائیکہ خواتین معمولاً کوئی صحیفہ پڑھنے پر قادر ہو سکتیں۔ اسی طرح حضرت خباب ایک غلام تھے۔ ان کا پڑھا لکھا ہونا ثابت کرنا ہوگا۔

۶۔ سورہ حدید بالاتفاق مدنی سورہ ہے۔ ۶ نبوی میں اس کا نزول نہیں ہوا تھا۔

۷۔ دار ارقم ایک مدت سے مسلمانوں کا مرکز تھا جسے ہر کی جانتا تھا۔ روایت میں اس کا تذکرہ اس طرح ہوا ہے، جیسے وہ کوئی غیر معروف مکان ہو جو پہلی مرتبہ حضرت عمر کے علم میں آ رہا ہو۔

۸۔ روایت کا تاثر یہ ہے، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس مکان میں چھپے ہوئے ہوں۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد و رفت نہ صرف مسجد حرام میں، بلکہ قریش کی محالیں میں بھی رہتی۔ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں بہ آواز بلند قراءت کیا کرتے اور قریش خانہ کعبہ کے پردوں میں چھپ کر اس کو سنا کرتے۔ اور یہ اس دور میں بھی ہوا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفت بڑے زوروں پر تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنا کبھی کسی کے لیے مسئلہ نہیں بنتا تھا۔ اللہ کا رسول ہمیشہ اپنا کام ڈنکے کی چوٹ کرتا ہے۔ وہ اللہ کی طرف سے اس کام پر مامور ہوتا ہے اور اللہ خود اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اسے چھپنے چھپانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

دوسری روایت: حضرت عمر کے اسلام لانے کے بارے میں دوسری روایت حضرت ام عبد اللہ بنت ابی حثمہ کی ہے۔ حضرت عامر بن ربیعہ حضرت عمر کے خاندان کے حلیف تھے۔ ان کا کنبہ حبشہ جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ عمر آ گئے اور کھڑے ہو کر تیاری کا سماں دیکھنے لگے۔ اب تک ان کا رویہ نہایت سخت رہا تھا اور انھوں نے اس کنبہ کو بہت تکلیف دی تھیں۔ عمر پوچھنے لگے: اے ام عبد اللہ، روانہ ہو رہی ہو؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ تم لوگوں نے بہت سخت اذیتیں دیں اور ہم پر ظلم ڈھایا۔ اب ہم اللہ کی زمین میں نکل جائیں گے یہاں تک کہ اللہ کوئی راہ کھولے۔ عمر نے کہا: اچھا، اللہ تمہارا ساتھی ہو۔ یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے ان کی آواز بھرا گئی، دل میں رقت طاری ہو گئی اور وہ اسی کیفیت میں وہاں سے چلے گئے۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ انھیں اس قبیلہ کی روانگی سے دلی صدمہ پہنچا ہے۔ حضرت ام عبد اللہ

نے اپنے شوہر کو بتایا کہ آج اگر تم عمر کو دیکھتے تو ان پر رقت اور غم کے اثرات دیکھتے۔ مجھے تو ان کے اسلام لانے کی امید پیدا ہوگئی ہے۔^۵

یہ روایت بالکل فطری معلوم ہوتی ہے۔ ایک گھرا نا، جس کے ساتھ برسوں کا بھائی چارہ رہا ہو، افراد خانہ سے قلبی تعلق ہو، ایک وقتی مسئلہ پر جذبات کی شدت میں آدمی نے ان کے ساتھ اس قدر زیادتی کی ہو کہ وہ اپنا گھر چھوڑنے پر تیار ہو جائے، لیکن اپنے نظریات پر آنچ نہ آنے دے، جب فی الواقع سامان باندھ لیتا ہے تو سنگ دل سے سنگ دل آدمی کے جذبات میں بھی ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ خرابی کہیں میرے اندر ہی نہ ہو اور انھی لوگوں کے نظریات درست نہ ہوں۔ اس طرح کے واقعات زندگی کا رخ موڑ دیتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کی سوچ اسی واقعہ نے بدل دی اور کچھ عرصہ غور کرنے کے بعد انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔

عطا اور مجاہد کی ایک روایت کے مطابق حضرت عمر رات کو کسی وقت مسجد حرام پہنچے۔ دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قرآن پڑھ رہے تھے۔ انھیں قرآن سننے کا شوق ہوا تو حطیم کی جانب سے غلاف کعبہ کے پیچھے داخل ہوئے اور چھپ کر عین اس جگہ پہنچے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ جب نماز ختم ہوئی اور آپ گھر کو چلے تو یہ آپ کے پیچھے ہو لیے۔ جب آپ اپنے گھر کے قریب پہنچے تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔ آپ نے پوچھا: عمر، اس وقت کہاں؟ انھوں نے کہا: میں اسلام قبول کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے ان کو ہدایت پر استقامت کی دعا دی اور مکہ کا یہ بطل جلیل اسلام کا خادم بن گیا۔ اگلے ہی روز مسجد میں جا کر اعلان کیا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور اب علانیہ یہاں نماز پڑھوں گا، جو مجھے روک سکتا ہو روک کر دکھائے۔

حضرت عمر بن الخطاب کے اسلام سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے حق میں دعا قبول ہوگئی۔ اس سے مسلمانوں کو بڑا حوصلہ ملا اور قریش کو اپنی شکست کا احساس ہوا۔

ہجرت حبشہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت عمر کا اسلام لانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اس واقعہ نے ان کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اور انھی کو نہیں، بلکہ متعدد دوسرے قرشی نوجوانوں کو بھی ہلا کر رکھ دیا، کیونکہ قریش کی توقع کے برعکس اس واقعہ کے بعد لوگوں کے مسلمان ہونے کی رفتار میں کوئی کمی نہیں ہوئی اور اسلامی کاروان بڑھتا چلا گیا۔

۵ السیرۃ النبویہ، ابن ہشام ۳۴۲۔

۶ السیرۃ النبویہ، ابن ہشام ۳۴۸۔

مسلمانوں کو غلبہ کی بشارت

ہجرت حبشہ نے ایک اور پہلو سے بھی قریش کو متاثر کیا۔ وہ یہ کہ حبشہ میں مسلمانوں کی پذیرائی اور شاہ حبشہ کے اسلام کی جانب میلان نے قریش کے اندر عیسائیوں کے لیے ایک نفرت سی بٹھادی، جبکہ مسلمان ان کے ممنون تھے اور ان کے حق میں تعریفی کلمات ادا کرتے۔

ملک عرب سے باہر، لیکن اس سے متصل دو عظیم بادشاہتیں، ایرانیوں اور رومیوں کی تھیں۔ ایرانی مشرک تھے جبکہ رومی پال کی لائی ہوئی بدعات کے باوجود خدا کی وحدانیت کا اقرار کرنے والوں میں تھے۔ قریش کو عیسائیوں کے مختلف فرقوں کے باہمی اختلافات سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی، وہ سب کو ایک ہی طرح کا مذہبی گروہ سمجھتے۔ ایرانیوں اور رومیوں کے درمیان شام کے علاقہ میں بالعموم سرحدی جھگڑے پیدا ہوتے اور کبھی نوبت باقاعدہ جنگ کی پیدا ہو جاتی۔ ۶۱۶ء میں ایران نے قیصر روم کے علاقہ پر چڑھائی کی تو رومی فوجیں مقابلہ نہ کر سکیں اور ان کے بہت سے علاقہ پر خسرو پرویز کا قبضہ ہو گیا۔ وہ لڑائی کے نتیجے کے بارہ میں اتنا پرامید ہوا کہ قیصر روم کو پابند سلاسل دیکھنے کے خواب دیکھنے لگا۔ یہ اطلاعات جب مکہ پہنچیں تو قریش نے مسلمانوں کا مذاق اڑانا شروع کیا کہ دیکھ لو اپنے ہم مسلکوں کا حشر۔ تمھارا نبی بھی ہم پر غلبہ کے خواب دیکھتا ہے۔ اگر یہ سچا ہوتا تو خدا ایرانی مشرکوں کو رومی توحید پرستوں پر کیوں غلبہ عطا کرتا۔ دیکھو رومیوں کے پاؤں کسی جگہ ٹکنے میں نہیں آ رہے ہیں اور ایرانی فوجیں ان کے ملک میں گھسی جا رہی ہیں۔ مسلمانوں کا حال بھی یہی ہو گا کہ کہیں ان کو سر چھپانے کی جگہ نہیں ملے گی۔ مسلمانوں کی ہمدردیاں چونکہ عیسائیوں کے ساتھ تھیں، اس لیے وہ شرمندہ ہو کر رہ جاتے اور ان سے کوئی جواب نہ بن پڑتا۔ اس موقع پر سورہ روم کی آیات نازل ہوئیں:

”یہ سورہ آتم ہے۔ رومی پاس کے علاقے میں مغلوب ہوئے اور وہ اپنی مغلوبیت کے بعد عنقریب — چند سالوں میں — غالب آجائیں گے۔ اللہ ہی کے حکم سے ہوا جو پہلے ہوا اور اللہ ہی کے حکم سے ہو گا جو بعد میں ہو گا۔ اور اس وقت اہل ایمان مسرور ہوں گے اللہ کی مدد سے۔ وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور غالب و مہربان تو وہی ہے۔ یہ اللہ کا حتمی وعدہ ہے اور	الْمَغْلُوبِ الرُّومِ. فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ. فِي بَضْعِ سِنِينَ. لِلَّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ بَعْدُ. وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ. بِنَصْرِ اللَّهِ. يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ. وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ. وَعَدَ اللَّهُ. لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ. (الروم: ۱-۶)
--	---

اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

ان آیات میں مسلمانوں کو تسلی دی گئی کہ ایرانیوں کی کامیابیاں عارضی ہیں۔ بہت جلد حالات پلٹا کھائیں گے اور چند سالوں میں رومی فی الوقت اپنی مغلوبیت کے باوجود ایرانیوں پر غالب آ جائیں گے۔ اس وقت اہل ایمان کے مسرور ہونے کا وقت ہوگا اور مشرکین مکہ اپنا منہ چھپاتے پھریں گے۔

’چند سالوں‘ کے لیے عربی میں جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ ’بُضْعِ سِنِينَ‘ ہے۔ اس کا اطلاق نو سال یا اس سے کچھ کم مدت پر ہوتا ہے۔ فی الحقیقت ایسا ہی ہوا اور مدینہ کو ہجرت کے بعد دوسرے سال رومیوں نے ایرانیوں کو مکمل طور پر مغلوب کر لیا۔ اس موقع پر اہل ایمان کے لیے اللہ کی نصرت کی ایسی شانیں ظاہر ہوئیں کہ تین سو کمزور مسلمانوں نے ایک ہزار آہن پوش کفار کو بدر کے میدان میں شکست دے دی۔ اس جنگ میں کفار کے صف اول کے تمام سردار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں پیش پیش رہتے تھے، مارے گئے۔ اس طرح ہجرت حبشہ کے موقع پر کی گئی پیشین گوئی پوری ہو گئی اور اہل ایمان کو کئی مسرتیں ایک ساتھ حاصل ہوئیں۔

حبشہ سے مہاجرین کی واپسی

حبشہ میں قیام کے کچھ عرصہ بعد ۳۳ مسلمان جن میں سے بعض کی بیویاں بھی ساتھ تھیں، وہاں سے مکہ لوٹ آئے۔ ابن اسحاق کے مطابق ان کی آمد اہل مکہ کے اسلام لانے کی ایک غلط خبر سن کر ہوئی۔ واپس آ کر یہ ایک منحصر میں گرفتار ہو گئے کہ شہر میں کس کی ذمہ داری پر داخل ہوں۔ اپنے پہلے گھروں کے دروازے ان پر بند ہو چکے تھے۔ کسی مضبوط شخص کا جوار حاصل کیے بغیر مکہ میں رہنا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ چنانچہ بعض مسلمانوں نے اپنے قبیلہ کو چھوڑ کر دوسرے خانوادوں کا جوار حاصل کیا۔ حضرت عثمان بن مظعون حضرت ولید بن مغیرہ کی پناہ میں آئے۔ انھوں نے جب دیکھا کہ میں تو ولید کے جوار کے باعث بڑے آرام اور سکون سے ہوں، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسلمان تکلیفیں اٹھا رہے ہیں تو وہ ولید کے پاس گئے کہ میں آپ کا جوار لوٹاتا ہوں۔ ولید نے کہا: میں نے جوار مسجد میں دیا تھا، اس کو لوٹانا بھی مسجد ہی میں ہوگا۔ چنانچہ حضرت عثمان مسجد میں گئے اور یہ اقرار کرنے کے بعد کہ ولید کا جوار نہایت شریفانہ تھا، اس کو واپس کرنے کا اعلان کیا اور کہا کہ اب اللہ کی پناہ پر اعتماد کروں گا۔

حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد نے ابوطالب کا جوار حاصل کیا جس پر ابولہب بہت تمللایا اور اس جوار کی مخالفت

کی۔ ابوطالب نے جواب دیا کہ ابوسلمہ میرے بھانجے ہیں۔ میں ان کو پناہ دیتا ہوں۔
حبشہ جانے والے باقی مہاجرین وہاں سے دوبارہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے اور اللہ کی راہ میں دو ہجرتوں کا
ثواب حاصل کیا۔ شاید تمام امتوں میں یہ شرف صرف امت مسلمہ کو حاصل ہوا ہے کہ پیغمبر کے بعض ساتھیوں نے دو
مرتبہ ہجرت کا ثواب کمایا۔

(جناب خالد مسعود صاحب کی تصنیف ”حیات رسول امی ﷺ“ سے انتخاب)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com